اسلامی عہد حکومت کی مذہبی عمارتوں کا ایک مختصر جائزہ: وحدت اور انفرادیت کے تناظر میں

AN OVERVIEW OF THE RELIGIOUS BULDINGS OF THE ISLAMIC ERA: IN THE CONTEXT OF UNITY AND INDIVIDUALITY

ڈاکٹر حمیرا ناز*

ABSTRACT
Architecture is a significant manifestation of any culture. It is a mirror which reflects nations' zenith as well as their mentality, art, development and literary taste. Anyone who wishes to guess the stages of prosperity and progress of a nation could easily do it by observing their architectures and constructions. In the same perspective if we discuss about Muslims, then it would reveal that Muslims had a magnificent history in construction. The monument buildings they constructed are the evidence of their work of art which speaks for itself. It is a divulgence of their artistic and creative skills and still after a long period of time the beauty, stability and majesty of these monument buildings remains fresh which reminds us the era. Moreover, the religious building constructed contain within them individuality and unique identification. This is a review of religious constructions in the Islamic era and their unity and individuality.

KEYWORDS: construction, Islamic, Muslims, architecture, monumernt, religious, buildings, art

تعارف

بلاشبہ اسلامی تہذیب و تمدن کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس نے اسلامی عہد کی تاریخ میں نمایاں ترقی نہ کی ہو۔ خصوصاً فنون میں فنِ تعمیر کی ترقی جو اسلامی عہد اقتدار کے عظیم ترین کارناموں میں شمار کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی بنی ہوئی سینکڑوں عمارتیں جو دنیا کے ایک بڑے حصّے پر تعمیر کی گئیں تھیں۔ کئی صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی وہ اس قدر قابل دید ہیں کہ آج بھی لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائے ہوئے ہیں۔ جو درحقیقت ان کی تخلیقی اور فنی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخِ اسلام، جامعہ کراچی، کراچی drhumeranaz@gmail.com

مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور وہیں یہ مسلم ثقافت اور اپنی انفرادیت کی بھی آئینہ دار ہیں۔ اگرچہ کہ مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مذہبی اور غیر مذہبی (سیکولر) دونوں طرح کی عمارتیں تعمیر کیں اور ان دونوں طرح کی عمارتوں سے اسلامی فنِ تعمیر کا بھرپور اظہار ہوا ہے، جس کا مشاہدہ مسلمانوں کی تعمیر کی ہوئی ہر عمارت سے کیا جا سکتا ہے۔

آج بھی ان عمارتوں کی رعنائی اور شان و شوکت نہ صرف اہمیت کی حامل ہے بلکہ ان کا طرز تعمیر اور تزئین کاری موجودہ دور کے انجینئروں، معماروں اور ڈیزائینرز وں کو اس جانب توجہ مبذول کرائے ہوئے ہے کہ جس زمانے میں اس طرح کی عمارتیں تعمیر کرنے کے لیے جدید دور جیسے وسائل بھی نہیں تھے تو اس طرح کی شاندار، فنکارانہ تعمیرات کس طرح سے تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ بات آج بھی انسانوں کو محو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔ آج جب کہ دنیا نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے تو اس کے باوجود مسلمانوں کی تعمیر کی ہوئی عمارتیں جو کسی بھی ملک میں ہوں نہ صرف حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں بلکہ یہ مسلمانوں کی جدت خیالی اور صنعتی مذاق کو ثابت کرتی ہیں وہیں یہ ایک ایسا قیمتی اثاثہ ہیں جس کی نظیر زمانے کو پھر کبھی میسر نہ آسکی اور اس کے ساتھ ہی یہ مسلمانوں کی شاندار اسلامی تہذیب کی عکاسی بھی کرتی ہیں چنانچہ اسی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن تعمیر، تہذیب کے اہم مظاہر میں سے ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جو کسی بھی انسانی تہذیب کی تعمیر و ترقی کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔

مزید برآں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر تہذیب اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے رہی بات اسلامی تہذیب کی تو وہ ایک خاص قسم کے دینی اور مذہبی نظریے کا مظہر تھی اور جس کا ظہور ساتویں صدی عیسوی میں آنحضرت ﷺ کی دعوت اسلام سے ہوا۔ یہ نظریہ دوسروں سے اثر پذیر ہونے کے بجائے شرعی قوانین کا تابع و فرمان تھا۔ لہٰذا ابتدا میں مسلمان عربوں نے مفتوحہ ممالک سے مختلف فنون کو اخذ کرنے کے بعد اپنی مخصوص چھاپ لگا کر ان میں اپنی ذوقی ضروریات اور مخصوص عقائد کے مطابق تبدیلیاں کیں۔ یہی تصور عمارتوں کے طرز اور وضع قطع میں بھی کارفرما رہا۔ ان تبدیلیوں کی بدولت فنون و صنائع نے بتدریج ایک ایسا قالب اختیار کر لیا کہ جسے بجا طور پر اسلامی کہا جا سکتا ہے جس کا مظہر خصوصاً اسلامی عہد کی وہ مذہبی عمارتیں ہیں جو اسلامی وحدت کی امتیازی خصوصیات کی حامل ہیں[1] بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ عمارتیں ایک الگ انفرادیت کا پہلو بھی رکھتی ہیں۔ جو ان کی پہچان ہیں۔ اگرچہ یہ عمارتیں دنیا کے کسی بھی علاقے اور کسی بھی زمانے میں بنائی گئی ہوں۔ لیکن بغیر کسی کو بتائے معلوم ہو جاتا ہے کہ عمارت کے معمار مسلمان تھے۔ ان عمارتوں پر مسلمانوں کی انفرادیت کی گہری چھاپ ہے۔ گویا اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر اپنی روح کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز عالم وحدت کا حامل ہے۔ اس کی چند امتیازی

خصوصیات بلالحاظ جغرافیائی وسیاسی اختلافات کے تمام اسلامی عمارات میں نمایاں ہیں جس کی بناء پر باآسانی اسلامی اور غیر اسلامی عمارات میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی فن تعمیر میں مسلمان عربوں کا ایک مزاج بن گیا تھا۔ اس مزاج کی تشکیل میں ان عمارتوں کا عام نقشہ ایک جیسا تھا[3] اگرچہ کہ عربوں کے بعد آنے والی دیگر مسلم اقوام نے بھی مقامی اثرات کے پیش نظر مختلف طرز یا اسالیب متعارف کرائے۔ لیکن اس کے باوجود مسلم فن تعمیر کی روح ایک ہے اور وہ ہے "اسلامی وحدت" خواہ کسی بھی جگہ کی عمارتیں ہوں۔ ان میں چند عمومی خصوصیات ایسی ہیں جو ہر جگہ کی اسلامی عمارتوں میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اسلامی فن تعمیر دنیا کے ہر حصّہ میں ایک ہی ہے اور مسلم فن کاروں نے فن تعمیر کا ایک مخصوص سانچہ تیار کر لیا تھا۔ جس کے مطابق وہ ہر جگہ ایک ہی لگے بندھے اصول پر عمارات تعمیر کرتے رہے۔ بلکہ اس کے برعکس مسلم فن کاروں نے ہر جگہ کے مقامی حالات اور مذہبی، تمدنی، ثقافتی اور جغرافیائی خصوصیات کے پیش نظر عمارات تعمیر کیں۔ مسلمانوں بالخصوص عربوں کو اس چیز میں قدرت حاصل تھی کہ وہ اسباب وعلل کے ساتھ بہت جلد مطابقت وہم آہنگی پیدا کر لیتے تھے ان کی طبیعت میں ایسی جدت اور اُپج تھی اور ان کی تخلیقی قوتیں اس قدر بیدار تھیں کہ وہ مختلف حالات وکوائف میں فوراً ایک نئے تمدن، نئی تہذیب اور نئی ثقافت کی داغ بیل ڈال دیتے ہیں جو وہاں کے مقامی اور مخصوص حالات سے پوری طرح مطابقت اور کامل سازگاری رکھتی تھیں یہی سبب ہے کہ اندلس، ترکی، عراق، شام، مصر، ایران، افغانستان، ہندوستان، پاکستان کی عمارات میں چند اصول کے اتحاد کے باوجود، ظاہری اختلاف اور تنوع بھی موجود ہے۔ ہر جگہ کی عمارت اپنی مخصوص انفرادی وامتیازی خصوصیات رکھتی ہیں۔ اور ہر جگہ ایک واحد طرز اسلامی میں جلوہ گر ہوا ہے۔[4]

چنانچہ ہم نے زیر نظر مضمون میں اسلامی عہد اقتدار کی عمارتوں بالخصوص اسلامی عمارتوں (مساجد، مدارس، خانقاہوں) اور قدرے دیگر تعمیرات (قصر، محلات، قلعوں وغیرہ) کی تعمیر میں "اتحاد واتفاق "کا اصول جو اسلام کے مقدس نظام کا حصہ ہے۔ اور اسلامی کلچر کی پہچان بھی ہے۔ اس کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی ہمیں ان عوامل کا بھی کھوج لگانا ہے۔ جس کی وجہ سے ان عمارتوں کی تعمیر میں ایک تسلسل، ایک وحدت پائی جاتی ہے۔ اس کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان عمارتوں کا عام نقشہ کیا تھا؟ اور ان میں آپس میں کیا مشابہت تھی اور کیا اختلاف تھے؟ جس نے ان عمارتوں کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیا تھا۔ نیز اس وحدت کے پیچھے کون سے عناصر کارفرما رہے ہیں۔ اگرچہ یہ سب کچھ ایک مختصر سے مقالے میں بتانا آسان نہیں تاہم اختصار کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلامی تعمیرات میں وحدت اسلوب کے عوامل

چنانچہ اسی تناظر میں اگر ہم اسلامی تعمیرات میں وحدت اسلوب کے عوامل کا جائزہ لیں تو پہلا عامل جس نے مسلم فن تعمیر کو وحدت بخشی وہ مسجد کا نقشہ ہے۔ مسجد یعنی عبادت کا وہ مقام جسے خدا کا گھر کہتے ہیں۔ جہاں انسان کی روحانیت بیدار ہوتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عمارتیں بنانے کے فن میں سب سے پہلا اور مستقل قسم کا طرز تعمیر جو ایک خاص تصور کا حامل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ مذہبی عمارت کی تیاری کے سلسلے میں نمایاں ہوتا ہے۔[5] اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن تعمیر کی ابتدا عبادت گاہوں کی تعمیر سے ہوئی ہے۔ مسلمانوں نے بھی اس کی ابتدا عبادت گاہ یعنی مسجد کی تعمیر سے کی۔ لہٰذا ابتدائی دور میں مسلمانوں نے جو عمارتیں تعمیر کیں، وہ مسجدیں تھیں اور بعد کے دور میں بھی زیادہ زور مسجدوں یا پھر مدرسوں اور خانقاہوں جیسی عمارتوں کی تعمیر پر دیا گیا۔ جن میں مساجد کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی تھی[6] اس لیے کہ اسلام نے مسجد کی تعمیر کو عظیم کار ثواب قرار دیا[7] مسجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں نے اپنی ترقی اور عروج کے زمانے میں زمین کو عبادت گاہوں (مساجد) کی شکل میں بہترین عمارتوں سے سجایا۔ کیونکہ اس کی تعمیر میں معمار کی صرف جسمانی یا ذہنی ہی نہیں بلکہ روحانی شمولیت بھی ہوتی ہے اور وہ اس کی تعمیر ایک خاص مقصد کے تحت کرتا ہے۔ در حقیقت مسجد کے طرز تعمیر میں نجات، سکون اور پناہ کا تصور مضمر ہے۔ مسجد میں عبادت گذار کے لیے ایک ایسی فضا مہیا ہوتی ہے جہاں عبد اور معبود کے درمیان براہ راست روحانی رشتہ قائم ہوتا ہے۔[8] لہٰذا وہ اس کو ایسا بنانا چاہتا ہے جو انسان کی مادی ضروریات کے لیے مکتفی ہونے کی بجائے دیکھنے والے کے دل میں بلند تر تصورات کا نقش قائم کر سکے لہٰذا مسلمانوں عربوں کے معاملے میں یہی مذہبی عمارتیں یعنی مساجد تھیں جن میں فن تعمیر بلند ترین مدارج پر پہنچا۔ مسلمان معماروں نے یا جن لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا، انھوں نے رفتہ رفتہ تعمیر کا ایسا نقشہ تیار کر لیا تھا جو سادگی اور وقار کا آئینہ دار تھا[9] اور صحیح معنوں میں مذہب اسلام کی اصلی روح کا مظہر تھا۔

اسی بناء پر اسلامی فن تعمیر کے اکثر بنیادی تصورات نے سب سے پہلے مسجدوں ہی کی عمارتوں میں جگہ پائی اور وہیں ان کی روایتیں قائم ہوئیں۔ چنانچہ اسلام کی پہلی اہم عمارت جو تعمیر ہوئی وہ مسجد ہی تھی۔ اس حوالے سے بعض مؤرخین اور محدثین نے اسلام کی پہلی عمارت ''مسجد قباء'' کو کہا ہے۔ لیکن مدینہ کی پہلی باقاعدہ مسجد جو مدینہ میں تعمیر ہوئی وہ ''مسجد نبوی'' تھی[10] جس سے اسلامی فن تعمیر کی ابتداء ہوئی۔ یہ عبادت کی ایک جگہ تھی جہاں مسلمان جمع ہو سکتے تھے، نماز پڑھ سکتے تھے۔ اسلام نے چونکہ ان کی زندگی میں بلا کی سادگی پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا انھوں نے اس سادگی

کے پیش نظر اللہ کا گھر ایسا تعمیر کیا جو سایہ اور خلوت کی ابتدائی ضروریات کو ممکن اور سادہ ترین طریقے سے پورا کر سکے۔ آج بھی ایک مسجد کی ضروریات اتنی ہی ہیں جتنی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھیں۔[11] اس مسجد نبوی ﷺ کا یہی اصل نقشہ تھا جو بعد میں دنیا بھر کی جامع مساجد کی تعمیر کے لیے نمونہ کا کام دیتا رہا۔ جس نے بعد میں دنیا میں تعمیر ہونے والی مساجد کو وحدت کے رشتے سے جوڑ دیا۔ اگرچہ مسجد کی تعمیر میں تغیرات ہوتے رہے لیکن بنیادی نقشہ یہی رہا۔

چنانچہ ابتداء میں مسجدیں اسی نقشے کے مطابق تعمیر کی گئیں مسجدیں نمازیوں کی ضروریات کے مطابق بنتی تھیں۔ عمارت قبلہ رو، دھوپ اور سردی سے حفاظت، نماز کے وقت نمازیوں کے صف بہ صف کھڑے ہونے کا انتظام، امام کے لیے سب سے آگے مغربی دیوار کے بیچ میں محراب و منبر، مسجد کے صحن میں وضو کے لیے حوض اور طہارت خانہ یہ نماز کے خاص آداب تھے۔ جن کی وجہ سے نمازیوں میں ایک خاص قسم کا فوجی نظم و ضبط پیدا ہو جاتا تھا۔ نمازی مجاہد بھی تھے۔ مسجدیں ان کی رہائش کا کام بھی دیتی تھیں۔ مسجد کے چاروں طرف فصیل، بیچ میں وسیع صحن، اس کے بعد حرم جس کا مسقف ہونا ضروری تھا۔ زمانہ ما قبل اسلام میں عربوں کے مکانات کشادہ ہوتے تھے۔ لہٰذا ابتدائی مسجدیں اسی طرز پر بنیں۔[12]

لیکن بعد میں مسجد کی تعمیر میں ارتقا ہوتا رہا۔ مسجدوں اور ایوانوں کو آرائشی عناصر سے دیدہ زیب بنایا جانے لگا لیکن جو بھی عمارتیں تعمیر ہوئیں بالخصوص مساجد میں اسلامی روایات کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔ مسجدوں، مقبروں میں مینار، گنبد اور محرابیں بنائی جانے لگیں۔ جو مسلم طرز تعمیر کی اہم اور بنیادی شناخت بن گئیں۔ اگرچہ کہ اسلام سے قبل یہ چیزیں دیگر اقوام کے فن تعمیر میں بھی موجود رہی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے جدت سے کام لے کر انھیں اسلامی فن تعمیر کا ایک اہم حصّہ بنالیا۔ جس سے اسلامی فن تعمیر میں وحدت پیدا ہوئی اور اس وحدت نے اسلامی فن تعمیر کو ایک مسلمہ اتحاد بخشا۔

اسلامی عمارتوں کی مشترک تعمیری خصائص

علاوہ ازیں اسلامی فن تعمیر کی شناخت میں جو عناصر سب سے زیادہ اہم ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی انفرادیت کی گہری جھلک نظر آتی ہے۔ ان میں تعمیری اور آرائشی عناصر کی وہ چند بنیادی خصوصیات بھی شامل ہیں جو ہمیں تقریباً تمام اسلامی عمارتوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ جو اسے غیر اسلامی طرز تعمیر سے جداگانہ مقام دیتی ہیں۔ اگرچہ جزئیات میں جغرافیائی اور مقامی اثرات کی وجہ سے فرق ہو سکتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی ہر جگہ ایک ہی طرز کی تعمیری

اور اسلامی آرائش کی بنیادی خصوصیات کی حامل عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ جو طرز تعمیر میں ہم آہنگی اور انفرادیت کی علامت کے ساتھ مشترک ثقافت کی بھی آئینہ دار ہیں۔ اگرچہ کہ ان تعمیری اور آرائشی عناصر کا تعلق زیادہ تر مساجد سے ہے۔ مسجد کے نمایاں حصّوں میں محراب و منبر، گنبد اور مینار سب سے نمایاں ہیں۔ اور زیادہ تر تعمیری اور آرائشی خوبیوں کے لیے توجہ کے مرکز یہی تینوں حصّے رہے ہیں۔

جبکہ مسجد کے بعد قصر اور محل کی تعمیر بھی اہمیت کی حامل رہی ہے مسلمانوں کے شاہی خاندانوں نے ان کی تعمیر اور تزئین پر اپنی بہترین توجہ مبذول رکھی لیکن طرز تعمیر کے ایسے عناصر جو اسلام میں ممنوع تھے وہ محلات کی تعمیر میں نظر آتے ہیں جیسے (مجسمے اور جاندار نقوش سے آرائش) جبکہ اسلامی عبادت گاہوں میں اُن تعمیراتی عناصر اور جمالیات کو ترجیح دی جس کا منبع اور ماخذ توحید تھا۔

اب ہم درج ذیل ان تعمیری خصوصیات کا تذکرہ کریں گے۔ جن کی یکسانی اور ہم آہنگی کا تعلق مساجد کی طرز تعمیر سے ہے۔ تاہم اسلامی فن تعمیر کی کئی خصوصیات ایسی بھی ہیں جو تقریباً ہر عمارات میں نمایاں ہیں ان میں مذہبی اور غیر مذہبی کی تخصیص نہیں اور ان کی تعمیر کے پیچھے مادی اور غیر مادی دونوں طرح کے افکار کار فرما رہے ہیں جیسے افقی طرز تعمیر، کشادگی، ڈھانچہ، ساخت، روشن اور ہوادار عمارتوں کی تعمیر جو اسلامی فن تعمیر کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

1۔ اسلامی عمارتوں کی سب سے اہم بنیادی خصوصیت افقی طرز تعمیر ہے جو اسلامی فن تعمیر کی بالخصوص مساجد کی تعمیر کی اہم اور نمایاں خصوصیت ہے چنانچہ مسلمانوں کے فن تعمیر کے ابتدائی ادوار کی عمارتیں بالعموم کلیۃً ارضی ہیں۔ ان کی تعمیر عمودی نہیں بلکہ افقی ہے۔ یعنی ارتفاع سے زیادہ ان میں پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ مختلف زمانوں میں عمارتوں کی ساخت طولاً یا عرضاً تو پھیلتی گئیں۔ مگر بلندی کی طرف ان کا رجحان کبھی نہیں ہوا۔ اونچے کلیساء اور ان کے بلند صلیبی کلس ان سے بالکل مختلف ہیں۔ مذہبی عمارتوں (مساجد، مقبرے، مدارس، خانقاہیں) میں ان کے میل کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ مسلمان حکمرانوں نے عیسائیوں کے بلند و بالا کلیساؤں کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔ ابتدائی اسلامی ادوار میں مساجد میں بلند میناروں کا بھی رواج نہیں تھا۔ اونچے مینار اور قبے تو نظر ہی نہیں آتے تھے۔ اگر کہیں تھے تو ان کے گرد چھوٹی چھوٹی برجیاں بنا کر ان کی بلندی کو ان میں سمو دیا جاتا اور گنبد کے اندر تہہ در تہہ طاقچے بنا کر سپاٹ بلندی کو شکستہ کر دیا جاتا۔[13] پس یہ پستی دراصل بندوں کی طرف سے عاجزی وانکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہے۔ اُس ہستی کے سامنے جو کائنات کا خالق و مالک ہے جو بلند و برتر، اعلیٰ وارفع ہے۔ اور یہ بلندی، برتری، اونچائی صرف اسی ہستی کو زیب دیتی ہے۔

2۔ دوسری اہم خصوصیت اسلامی عمارتوں کی جس نے مسلم فن تعمیر کو انفرادیت بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں محل ہو یا مسجد یا رہائشی مکانات اس میں کشادگی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ چونکہ ایک مسلمان کی نظر کائنات کی لامحدود وسعتوں پر ہوتی ہے۔ لہٰذا وسعت وکشادگی ان کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس وسعت نے کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں لیا ہوا ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی اور روحانی۔ لیکن مسلمانوں کے ہاں کشادگی صرف صوفیانہ نقطہ نظر ہی کی نمائندہ نہیں ہے۔ یعنی یہ محض ایک علامتی عامل نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے مادی اور غیر مادی دونوں طرح کے افکار کارفرما رہے ہیں۔[14] مادی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مساجد میں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے قدرتاً اس کا وہ حصّہ عمارت جس میں عبادت کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، وسیع اور کشادہ ہوتا ہے۔ ان حالات میں کشادگی اور وسعت لازمی ہے اور یہ التزام خاص طور پر ہوتا ہے کہ روشنی اور ہوا زیادہ سے زیادہ اندر آسکے۔ اس طرح مسجد کا ماحول کھلا اور صاف نظر آتا ہے۔ اگر عمارت تنگ و تاریک ہوگی جیسے ہندوؤں کے مندر ہوتے ہیں تو یہ راز دارانہ اور گھٹا ہوا ماحول انفرادی عبادت کے لیے تو مناسب ہو سکتا ہے (کیونکہ ہندوؤں کی پوجا پاٹ انفرادی اصول پر ہوتی ہے) لیکن جماعتی عبادت کے منافی ہے کیونکہ مسلمانوں کی عبادت میں ایک بڑی جماعت کا لازمی عنصر ہوتا ہے۔[15] لہٰذا مساجد کی تعمیر میں کشادگی اور وسعت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ نہ صرف ماضی میں بلکہ آج بھی یہ خصوصیت مسلمانوں کی مذہبی اور غیر مذہبی دونوں طرح کی عمارتوں میں نظر آتی ہے۔ اور یہ خوبی آج بھی اسلامی فن تعمیر کو ماضی سے جوڑے ہوئے ہے۔

3۔ تیسری اہم خصوصیت روشن اور ہوادار عمارتوں کی تعمیر بھی مسلم طرز تعمیر کی ایک ایسی مشترک خوبی ہے جو ہمیں ابتدا ہی سے بلکہ آج بھی ان علاقوں میں جہاں گرمی زیادہ پڑتی ہے، اس طرز کی حامل عمارتیں یعنی روشن اور ہوادار بنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے عمارتوں کو تعمیر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ روشنی کا حصول سہل اور آسان ہو اور عمارت کا کوئی کونہ یا گوشہ ایسا نہ رہ جائے جہاں قدرتی روشنی نہ پہنچتی ہو۔ چنانچہ اس کے لیے جابجا جالی دار دیواریں تعمیر کی جاتیں جن سے روشنی چھن چھن کر عمارت کے ہر حصے کو روشن کرتی۔ البتہ دھوپ کا گذر نہ ہوتا، یہ جالیاں سنگ مرمر کو ہندسی اشکال میں تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ بعض اوقات اینٹوں کی جالیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔[16] جبکہ آج اس طرز کی عمارتیں ائیر کنڈیشنز (Airconditioners) کی ایجاد کے بعد شہروں میں تو خال خال ہی نظر آتی ہیں مگر گاؤں یا قصبے میں اس طرز کے مکانات یا مسجدیں آج بھی بنائی جاتی ہیں۔

4۔ مسلم عمارتوں کی ایک اور مشترک خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان اپنی تعمیرات میں عمارتوں کی ساخت یا سطح کی تعمیر میں اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ اس میں ایک خاص ترتیب ہو جو ریاضی کے اصولوں پر پوری اترتی

ہو۔اس میں بعض اوقات ایسی ترتیب رکھی جاتی تھی کہ اس میں روحانی خصوصیات اجاگر ہوتی نظر آتی ہیں۔[17] چونکہ پوری کائنات ایک خاص ترتیب میں نظر آتی ہے۔ جو خدا کی وحدانیت کا مظہر ہے۔اس کا حصول مسلم فن کاروں کے لیے ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا ہے۔ پھر انسان اور فطرت دونوں کا خالق اللہ ہے اور ان دونوں کی تخلیق ایک خاص ترتیب سے اسی ذات باری تعالیٰ نے کی ہے۔ جبکہ ریاضی جو ایک علم ہے جو دونوں کی بناوٹ اور کائنات میں ان کے تناسب کی وضاحت کرتی ہے۔ انسان اور فطرت دونوں کی بنائی ہوئی یہ شکلیں ایک ہی مشترک ریاضیاتی اصول کی غماز ہیں۔اسی ترتیب کے حصول کے لیے دانستہ یا نادانستہ طور پر مسلم فن کاروں نے ریاضی کے بنیادی اصولوں کو اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا[18] جو اسے غیر مسلم طرز تعمیر سے جداگانہ مقام دیتی ہے۔ چنانچہ مسلم فن تعمیر کی یہ وہ خصوصیت ہے جو ہمیں مسلمانوں کی بنی ہوئی عمارتوں میں نظر آتی ہے۔ جو اسے وحدت کے رشتے میں پروتی ہے۔

علاوہ ازیں بناوٹ کے اعتبار سے اسلامی عمارتوں کی بعض تعمیری عناصر ایسے بھی ہیں جو ایک طرف مسلم فن تعمیر کو وحدت کے رشتے میں جوڑے ہوئے ہیں۔ تو وہیں دوسری طرف درج ذیل طرز تعمیر پر مبنی خصوصیت کی حامل یادگار عمارتیں اسلامی روح اور پیغام کو جمالیاتی طور پر مجسم بھی کرتے ہیں۔ اب ہم بر سبیل اختصار ان اجزاء سے بحث کریں گے جو مسلمانوں کی تعمیرات میں پائے جاتے ہیں۔

اسلامی عمارتوں کی عام جزو ترکیبی

بند صحن

اسلامی عمارتوں میں ممکنہ طور پر پائی جانے والی سب سے زیادہ عام تعمیری خصوصیت چاہے وہ اسلامی یا غیر اسلامی (Secular) یا متفرق مقاصد کے تحت تعمیر کی گئی ہوں وہ بند صحن کی خصوصیت ہے۔ چونکہ اسلام میں مقدس اور غیر اسلامی، مذہبی، غیر مذہبی (Secular) کی کوئی تفریق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مساجد، درگاہ اور سرائے کے ساتھ ساتھ مدرسوں، محلوں اور سادہ گھروں کے تعمیری انداز اور تعمیراتی جزو میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ بند صحن ان تعمیراتی عناصر کا حصّہ ہے جو ساتویں صدی سے مسلمانوں کے قدیم طرز تعمیر کا جزو رہا ہے[19] اور یہ تیرہ صدیوں تک مسلمان معماروں میں مقبول اور زیر استعمال رہا ہے۔ چاہے وہ مسجدیں ہوں یا محلات۔[20] تاہم یہ تعمیری خصوصیت ہمیں مسجدوں میں زیادہ نظر آتی ہے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی اُن تاریخی مساجد سے کیا جاسکتا ہے جو ایک تاریخی ورثہ کی صورت میں مختلف اسلامی ممالک میں موجود ہیں۔ جیسے مصر میں جامع عمرو[21] اور جامع مسجد

طولون[22] اس زمانے کے طریقے اور چلن کے مطابق بند صحن مسجد کے بیچوں بیچ بنایا جاتا تھا۔ جس میں وضوخانہ یعنی حوض ہوتا تھا۔ اگر ہم اس بند صحن کی افادیت کا اندازہ لگانا چاہیں تو مسجد کی تعمیر کی صورت میں بند صحن کے ساتھ ساتھ چار اطراف ایک ڈھکا ہوا جائے عبادت، ایک اسلامی کمیونٹی کی عبادت کی ضروریات کا بہترین حل فراہم کرتا تھا۔ ایک جانب وہ جائے عبادت، سورج کی تیز دھوپ اور بارش سے حفاظت فراہم کرتا تو دوسری جانب بند صحن تہواروں کے موقع پر نمازیوں کی زیادہ تعداد کو سمونے کے کام آتا۔ اس کے ساتھ ساتھ نمازیوں کے لیے وضوخانہ بنانے کے لیے بھی جگہ فراہم کرتا۔ یہی وہ منصوبہ تھا جسے سادہ سے سامان کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے خود مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصے بعد مسجد نبوی ﷺ کی صورت میں مکمل کیا جو بعد میں تعمیر ہونے والی مسجدوں کے لیے نمونے کا کام دیتا رہا۔ مزید براں بند صحن اپنے وجود کے لحاظ سے عملی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم ثقافت کے جمالیاتی اہداف کو ٹھوس شکل دینے کی صلاحیت کے بدولت ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ بند صحن ایک مکمل عمارت کو عملی جامہ پہناتے ہیں جس کا علیحدہ سے یا پھر ایک بڑے کمپلیکس کے حصّے کے طور پر تجربہ کو سراہا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ڈھانچے میں دیگر تعمیراتی اجزا کا حصّہ بن کر مجموعی حیثیت میں ایک عربی آرائش یا طرز کی شکل دیتا تھا۔[23] یہاں اس ڈیزائن کو تین جہتی دیواروں اور جگہوں میں تعمیر کیا جاتا تھا یہ مکمل اور اطمینان بخش عمارت ہوتی تھی جو اس سے مطابقت رکھتے دیگر ڈھانچوں یا عمارتوں کا حصّہ بن جاتی تھی۔

پھر یہ کھلا صحن چاہے چوکور تعمیر کیا جائے، بیضاوی یا چار طرفہ بے ترتیب دیوار کے طرز میں، وہ اسلامی لحاظ سے موزوں ہے۔ کیونکہ یہ جمالیاتی ترقی کے لحاظ سے کسی احساس کا پیغام نہیں دیتے، کوئی بھی ایک کنارہ دوسرے سے بہتر نہیں ہوتا، بلکہ یہ طبعیاتی لحاظ سے صحن کے چاروں کونوں سے رسائی فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حقیقتاً بند صحن ایک تعمیراتی عنصر جو چاروں اطراف سے صحن میں ایک اصل اور فنی نقل و حرکت کو یقینی بناتے ہیں۔[24] پس یہ بند صحن کی خصوصیت اسلامی عمارتوں کا ایک ایسا جزو ہے جو انفرادیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم فن تعمیر کو ایک مسلمہ اتحاد بخشتا ہے۔

گنبد یا قبہ

اسلامی طرز تعمیر میں ممکنہ طور پر دوسرا اہم ترین جزو گنبد ہے۔ انگریزی میں لفظ dome دراصل لاطینی لفظ domus سے اخذ کیا گیا ہے[25] جس کے معنی قابل احترام گھر یا مقدس گھر کے ہیں۔ یہ اسلام سے قبل بھی قدیم

رومیوں اور عیسائیوں کی جانب سے تعمیرات کا ایک اہم جز رہا ہے۔[26] اسلام سے قبل کے وقتوں میں شام اور بحر روم وغیرہ کے اطراف میں مختلف مقامات پر لکڑی کے گنبد استعمال کیے جانے کی تاریخ ملتی ہے۔ جس میں خراب مال اور اشیاء کا استعمال کیا جاتا تھا جو دیر پا نہیں ہوتے تھے اور زیادہ عرصہ تک انھیں محفوظ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لہٰذا بازنطینی معماروں نے پتھر کے گنبد بھی تعمیر کیے۔[27] اس کے علاوہ مختلف طرز کے گنبدوں کا استعمال بھی نظر آتا ہے۔[28] ان کے یہاں کلیساؤں کے گنبد اونچے اور مربع ہوتے تھے۔ قدیم رومی اور بازنطینی عیسائیوں نے گنبد نما عمارت کی تعمیر کے استعمال کو ایک انتہائی اہم علامت سے منسلک کر دیا تھا جو ان کے یہاں جنت یا لامحدود کائنات کی نمائندگی کی حامل عمارت کے طور پر تصور کی جاتی تھی۔[29] جبکہ مسلمانوں کے نزدیک گنبد کو جنت کی جمالیاتی نمائندگی کی حیثیت سے تصور نہیں کیا جاتا بلکہ یہ سادہ انداز میں ایک بڑے حصّے پر کامیابی کے ساتھ چھت بنانے کا طریقہ کار ہے۔[30]

غرض مسلمانوں نے فن تعمیر میں مسجد، مدرسے یا اس کے رہائشی حصّے کو کسی خاص علامت کا حامل سمجھنے کے بجائے مکمل فعال تصور کے تحت عمارتیں تعمیر کیں۔ ابتدائی ادوار میں اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے 72ھ / 691ء میں مسلمانوں کی ایک یادگار (زیارت گاہ) کی شکل کی پہلی عمارت تعمیر کی تھی۔ جس کی چھت گنبد کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ یہ یادگار یروشلم میں "قبتہ الصخرہ" ہے۔[31] یہ محض تینوں مذاہب، اسلام، عیسائیت اور یہودیوں کے لیے یکساں مذہبی اہمیت کی حامل اور مقدس مقام پر بنی ہوئی ہے جو مثمن یعنی آٹھ کونوں والے ڈھانچے کی حامل گنبد نما چھت کی عمارت ہے۔ عمارت میں دو گنبد ہیں جو ایک دوسرے پر بٹھائے گئے ہیں۔[32] گنبد کو زمین سے منسلک ایک بڑے اور اونچے ڈھانچے پر رکھا گیا ہے۔ جہاں اس ڈھانچے کو ستونوں کی مدد سے سہارا دیا گیا ہے تعمیر کے لحاظ سے دونوں گنبد ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق ہیں۔[33]

پس یہ عربوں کی جدت وندرت تھی کہ انھوں نے ایک نیا طرز اختیار کرتے ہوئے گنبد کو بھی عربی انفرادیت دی۔ اور ساتھ ہی ہر طرح کی علاماتی اظہار کو مسترد کرتے ہوئے اس کے افعال کی طرف توجہ دی۔ اور یہ علاماتی اظہار نہ صرف فن تعمیر بلکہ اسلامی فنون کے کسی شعبے میں نظر نہیں آتا۔

مسلمان معماروں کی جانب سے گنبد کے پہلی مرتبہ اس طرز کے تعمیر ہونے کے بعد آنے والی کئی صدیوں میں اسی طرز کے گنبد کو استعمال کرنے کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ کچھ چکور، گول، ستارے نما اور دیگر مختلف اشکال میں بنائی گئی عمارتوں کی چھت کے عین وسط میں بنائے گئے تھے۔ کچھ دیگر مقامات پر وسیع عمارتوں کے محض ایک حصّے پر گنبد نصب کیا گیا۔ مسلم معماروں نے گنبد کی شکل نصف دائرتی، بیضوی، نوکدار، محرابی، بصلہ نما (Bulbous) حتیٰ کہ

خیمہ نما یا مخروطی طرز کے گنبد بھی تعمیر میں استعمال کیے۔[34]

گنبدوں میں جو خاص بات عربوں نے پیدا کی اس حوالے سے گستاؤلی بان کہتے ہیں کہ "وہ ان گنبدوں کا اوپر سے پتلا اور نیچے سے دبا ہونا ہے۔ اگر کسی گنبد کو بیچوں بیچ سے تراشیں تو اس قوس کی صورت بالکل اُن کی محرابوں کی سی ہو گی جب کہ ایرانیوں نے گنبد کی شلجم نما صورت پیدا کی ہے۔[35]

عربوں کے گنبدوں کی شکل بلحاظ اختلاف ملک کے مختلف رہی ہے۔ افریقہ اور علی الخصوص قیروان میں یہ مثل شرقی گنبدوں (بازنطینی) کے دبے ہوئے اور ایک ہی مسجد میں متعدد ہیں۔ مصر میں یہ اس شکل کے ہیں جس کا بیان اوپر ہوا ہے اور یہ کبھی مساجد پر نہیں ہوتے بلکہ ان دالانوں پر جو مساجد سے ملحق ہیں اور جن پر قبریں ہوا کرتی ہیں جبکہ شام کے گنبد شکل میں مصر کے گنبدوں کے مماثل ہیں جن کے نیچے کی طرف بہت ہی خفیف سی مروڑ ہوتی ہے یہ شام کے گنبد اس قدر لمبے نہیں بلکہ یہ بدہیت اور ہر قسم کی آرائش سے خالی ہیں۔ مصر میں بالخصوص اس قبرستان میں جو قاہرہ کے قلعے کے نیچے واقع ہوا ہے۔ یہاں ہر قسم کے گنبد نظر آتے ہیں۔ کروی، بیضاوی، مدور، مخروطی، نکیلے، قاش دار وغیرہ[36] یہ عربوں کی ذکاوت ہی تھی کہ جو ہر جگہ جدت وندرت کو اختیار کرتے تھے۔ جہاں بھی گئے وہاں کورانہ تقلید کے بجائے ہر ملک کی موجودہ اشیاء کو ترتیب دے کر ایک نئی طرز پیدا کر لیتے غرض یہ عربوں کی حیرت انگیز قوت کی دلیل ہے کہ مسلم فن تعمیر میں ہمیں گنبد کی مختلف اشکال نظر آتی ہیں۔ جن میں بوجہ اختلاف ملک واختلاف اقوام کے مقامی فرق ہے۔ جس سے انواع واقسام کی صورتیں پیدا ہوئیں۔ مگر ہر جگہ کی انفرادیت کے باوجود بھی عربی طرز موجود ہے۔ جو مسلم عماراتوں کی وحدت کو ظاہر کرتا ہے۔

مینار

اسلامی عماراتوں میں مسجدوں اور مقبروں میں میناروں، گنبدوں اور محرابوں کو جو اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس سے انکار نہیں۔ اور یہی تینوں چیزیں اسلامی فن تعمیر کی بنیادی شناخت بن گئیں ہیں۔ اسلام سے قبل شام، مصر اور ہندوستان کی عماراتوں میں یہ تینوں چیزیں موجود تھیں۔[37] مسلمانوں نے جو کورانہ تقلید کے قائل نہیں تھے۔ جدت سے کام لے کر انھیں اسلامی فن تعمیر کا اہم حصہ بنا دیا۔ ظہور اسلام سے قبل لائٹ ہاؤس کے طور پر بھی مینار تعمیر کیے گئے۔ مسلمانوں نے جو مینار تعمیر کیے وہ چار مقاصد کے لیے تھے۔

1۔ فتح کے طور پر 2۔ دیدبان کے طور پر 3۔ لائٹ ہاؤس کے لیے اور اذان کے لیے۔[38]

جب سے مسلمانوں کو پانچ وقت نماز میں شرکت کے لیے بلانے کا سلسلہ جاری ہوا اور نبی کریم ﷺ نے اسلام کی

پہلی باقاعدہ مسجد "مسجد نبوی" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بنیاد رکھی تھی۔ اُس وقت حبشی النسل غلام حضرت بلالؓ نے نمازیوں کو بلانے کے لیے عمارت کی چھت پر کھڑے ہو کر اگرچہ کہ وہ کچی تھی اذان دی۔ چنانچہ مسجد کے ڈھانچے کی تعمیر کے ساتھ ہی اس مقصد کے لیے اس اہم جزو کی تنصیب کی اہمیت کو بہت جلد سمجھ لیا گیا تھا۔ اس طرح میناروں کو مسجد کی تعمیر کا جزو بنا لیا گیا۔ اسلام سے قبل کی ابتدائی صدیوں میں ان ٹاوروں کو کبھی صوامعی کہا گیا۔ انگریزی اصطلاح minaret دراصل عربی کے لفظ منارہ سے نکلی ہے۔ جس کے لفظی معنی "آگ جلنے کی جگہ" کے ہیں۔ اس نام کا اطلاق لائٹ ہاؤس پر ہوتا تھا اور بعد ازاں مسجد کے میناروں کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا جانے لگا۔ آج کل عربی میں "ماذنہ Madhanah" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی "اذان کی جگہ" کے ہیں۔[39]

اسلامی مینار کی ابتدا کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ المقریزی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ خلیفہ معاویہؓ نے (661ء۔ 680ء) جامع عمرو کے لیے ایک صوعمی یا مینار بنانے کا حکم دیا اور معاویہؓ کے مقرر کردہ والی مصر نے 683ء میں ایسے چار مینار بنوائے جن میں سے ہر ایک مینار میں زینے موجود تھے اور داخلہ سڑک کی جانب تھا۔ یہ مینار مسجد کے چاروں گوشوں پر تعمیر کیے گئے تھے اور کہا گیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں مسلمہؓ ابن مخلد پہلے شخص تھے جنھوں نے اس کی ابتدا کی۔ جب کہ المقریزی کے بیان کے مطابق مسلمہؓ کے عہد میں مینار کا وجود نہ تھا۔[40] لیکن ایک دوسرے عرب مصنف ابن الزیات کی تصانیف میں ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جامع قدیم یا فسطاط کی قدیم مسجد میں کہا جاتا تھا کہ ایک مربع مینار 51ھ (656ء) میں بنایا گیا تھا۔ یعنی اصلی جامع عمرو کی تعمیر کے پندرہ سال بعد اور مسلمہؓ کے میناروں سے پچیس سال پہلے۔[41]

اس کے بعد دمشق کی جامع مسجد جو اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے تعمیر کروائی تھی اس میں چار چکور مینار بنائے گئے تھے۔ لیکن ان میں سے بس اب ایک ہی رہ گیا ہے۔ جو کئی صدیوں سے ایک درخشاں روایت کی مانند اپنی جگہ قائم ہے۔[42] جبکہ سامرا (عباسی خلیفہ معتصم کا بسایا ہوا شہر) کی جامع مسجد میں ایک اور طرز کا مینار بنایا گیا۔ جسے مرغولے دار (Spiral) مینار کا نام دیا گیا۔ جہاں اس کا بیرونی حصّہ سوئی کی سمت کے الٹ بنیاد سے اوپر تک گھومتا ہوا جاتا ہے۔ اسی طرح قاہرہ میں بھی ابن تولون کی مسجد میں ہمیں میناروں کا خوبصورت امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔[43] جبکہ ایران میں یہ مخروطی ہیں، اندلس اور افریقہ میں مربع، روم میں گول اور اوپر سے مخروطی، مصر میں ہر ایک منزل مختلف صورت کی ہے (جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) چنانچہ گستاؤلی بان مصر کے میناروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"مصر کے اکثر مینار الخصوص مسجد قائت بائی[44] کے فی الواقع عجائبات میں سے ہیں۔ ہمیں اور کسی چیز سے عربوں کی ذکاوت اور صناعی اس قدر نہیں معلوم ہوتی جیسی ان مختلف رنگ ڈھنگ کے میناروں کے[45]۔"

دریں اثنا اسلامی عمارتوں میں مینار کی تعمیر کا مقصد صرف اذان دینے کی ضرورت کو پورا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ پوری مسلم دنیا میں ایک جمالیاتی حسن میں اضافے کا کردار بھی ادا کرنا ہے۔ کبھی کبھار ان کو تقسیم کر کے مختلف اشکال اور حجم کے ساتھ متعدد منزلہ تعمیر کیا گیا۔ اور اکثر مینار کو بالکینوں اور آرائش و سجاوٹ کے ساتھ بھی تعمیر کیا گیا۔ جو ظاہری طور پر انھیں تقسیم کر دیتے تھے اور اس طرح یہ غیر ترقیاتی عربی خطوط کے حامل اسلامی فن کے دلکش منظر پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ مینار اکثر سجاوٹ کی وسیع تصویر کشی کرتے ہیں جو عربی فن تعمیر کی پیچیدگیوں کی مثال تھے۔ جیسے کنگرہ سازی، بالکونی کی زیبائش، گرل کی حامل کھڑکیاں اور دیواروں کی سجاوٹ سمیت تمام چیزوں کا استعمال مینار میں عمل میں لایا گیا۔ تاکہ پیچیدہ طرز کی حامل اسلامی جمالیاتی مانگ کو عملی جامع پہنایا جاسکے۔[46] جو اسلامی فن کا اعلیٰ شاہکار ہیں اور یہ اسلامی طرز تعمیر کی ایسی خصوصیت ہے جو صرف اسلامی عمارتوں میں ہی نظر آتی ہے۔

محرابیں

عمارت کی مضبوطی میں اضافہ کرنے اور اس کی خوبصورتی کو دوبالا کرنے کے لیے محرابوں (Arches) کی تعمیر مسلم فن تعمیر کی ایک پہچان ہے۔ اور اسلامی طرز تعمیر کا ایک اہم جزو ہے۔ جسے ابتدا میں قبلے کی دیوار کے ساتھ تعمیر کیا جاتا تھا تاکہ نماز کی سمت کا تعین کیا جاسکے۔ اس کے آغاز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں عمر بن عبد العزیز نے مسجد نبوی کی توسیع کی تو سب سے پہلے محراب کی ابتدا انھوں نے کی اور پہلی مرتبہ مسجد نبوی کی محراب تعمیر کرائی۔ اس سے پہلے مساجد میں محراب نہیں ہوتے تھے۔ اس وقت سے محراب کو مسجد کی تعمیر میں ایک اہم جزو تصور کیا جاتا ہے۔ جو اسلامی طرز تعمیر کی پہچان بھی ہے۔ اور یہ نماز سے منسلک ایک انتہائی اہم عمل کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ مسجد کی تعمیرات میں اس کا جمالیاتی وصف بلا مبالغہ اسلامی خصوصیات کا انکشاف کرتا ہے۔ لیکن ماہرین فن تعمیر اسے مسجد میں انتہائی طاقتور مرکزی نکتہ بنانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ مسجد کی عمارت اس طرح سے نہیں بنائی جاتی تھی کہ جس میں محراب کو ہی اہمیت دی جائے اور نہ اس کو اس طریقے سے تعمیر کیا جائے کہ جب نمازی یا مسجد میں آنے والے، اسے دیکھیں تو انھیں یہ مسجد کے دیگر ڈھانچے پر غالب نظر آئے۔ جیسا کہ عیسائیوں کے گرجا گھروں میں ہوتا ہے۔[47] جہاں ایسے تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ جبکہ مسلمانوں کی نماز میں محراب کا کردار یکسر مختلف ہے۔ اس کے بجائے اسے ایک مقدس عمل کا مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ جو عملی طور پر نمازیوں کے لیے زیادہ مددگار ثابت ہوتا ہے چونکہ محراب مسجد کے کسی دوسرے حصّے میں زیادہ مقدس ہرگز

نہیں۔ لہٰذا اسے مسجد میں انتہائی طاقتور مرکزی نکتے کے طور پر تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ اکثر قبلے کی دیوار کے عین وسط میں تعمیر کی جاتی اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ مسجد میں ایک سے زائد محراب ہوں۔ جس کی مثال "دمشق کی جامع مسجد" ہے۔ جس میں چار محرابیں ہیں جنھیں مختلف ادوار میں قبلے کی دیوار کے ساتھ نصب کیا گیا[48] بعد کے ادوار میں مسجد کے علاوہ دیگر عمارتوں کی تعمیر میں محراب کا استعمال کیا گیا۔ محرابوں کا استعمال عمارت کو جہاں پائیداری عطا کرتا ہے۔ وہاں خوبصورتی کا بھی موجب بنتا ہے۔ نکیلی اور پھیلی ہوئی محرابیں پرانی تعمیر عرب کی خصوصیات میں سے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مختلف النوع محرابوں کا استعمال بکثرت نظر آتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدت آتی گئی۔ بعض محرابیں تو خالصتاً مسلمانان اسپین کی اختراع تھیں۔ جن میں "عجمی محراب" "نوکیلی محراب" اور "پھیلی ہوئی محراب" شامل ہیں۔ عجمی محرابوں میں دوھری کھڑکیاں ہوتی تھیں جن کے درمیان ایک نازک سا ستون قائم کرکے الگ کر دیا جاتا تھا۔ نیز یہ اس قدر نازک ہوتی تھیں اور ان میں اس قدر کم مسالہ استعمال کیا جاتا تھا کہ اس خصوصیت نے ایک زمانہ کو حیران کر دیا کہ اس قدر بڑے بڑے پایوں اور چھجوں کا بوجھ ان نازک محرابوں نے کس طرح سہار رکھا ہے اس طرح کی محرابیں قصر الزہرہ، قصر مامون اور الحمراء میں تعمیر کی گئی تھیں۔[49] اگرچہ کہ ابتدائی ایام میں مسلم ہسپانیہ (اسپین) میں جو محرابیں بنائی گئیں تھی وہ نعلی صورت (Horse shoe type) کی تھیں۔ لیکن جوں جوں مسلمان علم وہندسہ وہیئت میں ترقی کرتے گئے محرابوں کا طرز بھی بدلتا گیا۔[50] شاید محرابوں کی تعمیر میں مسلمانوں نے سب سے بڑا کردار دودرجاتی محراب بنا کر ادا کیا۔ اس سے تعمیرات میں افقی کے ساتھ ساتھ عمودی جہت کے اضافے کی بدولت تکرار کے عنصر کو مزید تقویت فراہم کی۔ اس طرح کی طرز تعمیر "مسجد اقصی" اور "دمشق کی جامع مسجد" میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اسی طرح مسجد قرطبہ (اندلس) کی مسجد میں دومنزلہ محراب کی بدولت اس حقیقت سے ایک نیا پہلو ابھر کر سامنے آیا کہ محرابوں کو اوپری حصّوں کو سہارا دینے والے ستون، نچلے حصّوں کے ستونوں کا تسلسل نظر آتے تھے۔ ان عمارتوں کے محرابوں کے احاطوں نے دوطرفہ کردار ادا کیا۔ جہاں ایک سطح پر مکمل محراب کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ وہیں دوسری طرف مختلف سطحوں پر مشتمل محرابوں کا احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔[51] عمارتوں کی مضبوطی کے لیے بھی اسلامی فن تعمیر میں محرابوں کا استعمال بکثرت نظر آتا ہے۔ لیکن محرابوں کا استعمال زمانہ قدیم سے مروج رہا ہے۔ مسلمانوں نے اس میں جو جدتیں کیں وہ درحقیقت ان کی فہم وفراست، علوم ہندسہ میں مہارت اور الجبراء وجیومیٹری میں غیر معمولی دسترس کا نتیجہ تھیں۔ المختصر مسجد کے نمایاں حصّوں میں مینار اور گنبد کے علاوہ محرابوں کو بھی ممتاز مقام حاصل ہے اور فی الواقع زیادہ تر تعمیراتی اور آرائشی خوبیوں سے مزین ہونے کی وجہ سے

خوبصورتی، رعنائی اور دل کشی کا شاہکار ہوتے ہیں کہ جس کی نظیر پورے عالم میں کہیں نہیں ملتی۔

ستون

مسجد کی تعمیر میں ایک عام خصوصیت جو ایک علیحدہ ڈھانچے کی شکل میں یا مزار، مدرسے اور خانقاہ کے حصّے کے طور پر میں ایک ستونوں والی عبادت گاہ ہے۔ اکثر ان ستونوں کو نماز کے ہال میں قبلے کی دیوار کے عین سامنے تعمیر کیا جاتا تھا۔ جیسے " دمشق کی عظیم جامع مسجد "(جو اموی خلیفہ ولید نے تعمیر کرائی تھی) میں بنایا گیا۔ کچھ عبادت گاہوں میں ستونوں کو قبلے کی عین عمودی طرز (90 ڈگری کے زاویے) پر تعمیر کیا گیا۔ جیسا کہ بیت المقدس کی "مسجد اقصیٰ" کو جسے المہدی (عباسی خلیفہ) نے دوبارہ سے تعمیر کرایا تھا۔ اسی طرح "مسجد قرطبہ" میں اور "مسجد قیروان" جو زیاد اللہ کی تعمیر کردہ ہے۔ جس میں ستونوں کو اسی طرز پر تعمیر کیا گیا۔ اسی طرح کے نماز کے ہالوں میں ستونوں کو محراب کی شکل میں بنایا گیا۔ جس کا عملی فائدہ یہ ہے کہ یہ فن تعمیر کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ چھت کو سہارا بھی دیتے ہیں۔[52] اکثر اسلامی عمارتوں میں ستون اور محراب مسلمانوں کی جانب سے بنائی گئی عبادت گاہوں کی معاونت کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ ستونوں میں عموماً سہارے کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے جہاں محراب بنائی جاتی تھی۔ ستونوں سے آراستہ عبادت گاہ کی تعمیر کے لیے مسلمان معماروں میں ستونوں کی سات اشکال مقبول تھیں جو محراب کو سہارا دینے کے لیے بنائی جاتی تھیں۔ جس سے مختلف اشکال کی محراب بن جاتی تھیں۔[53]

اگرچہ کہ یہ ستون عمارت کا اہم جزو ہوتے ہیں جو ابتدا ہی سے مسلمانوں کی تعمیر میں شامل رہے ہیں۔ شروع میں ان کی شکل وصورت، وضع وقطع، قدو قامت نیز رنگ اور مسالے کے استعمال کے اعتبار سے ہم آہنگی و موزونیت کا فقدان نظر آتا ہے۔ کیونکہ ابتدا میں مسجد کی تعمیر میں مفتوحہ علاقوں کی پرانی عمارتوں، مال مفروتہ کے ستونوں کو استعمال میں لایا جاتا رہا ہے چنانچہ ان میں سے بہت سے ستونوں کے پائے نہ ہونے کے باوجود انھیں تعمیراتی قواعد کی پابندی کو ملحوظ رکھے بغیر ویسا ہی نصب کر دیا جاتا۔ بعض ماہرین وناقدین فن تعمیر کا یہ بھی کہنا ہے کہ عمارتوں میں محراب کی ابتدا کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ قدیم عمارتوں سے حاصل کردہ اس طرح کے بعض ستون چھوٹے ہوتے تھے۔ لہٰذا چھت تک کی بلندی کو پُر کرنے کے لیے ان پر محراب بنا دیئے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ بعد میں جب اس طرح کے تیار تعمیراتی سامان میں بتدریج کمی واقع ہوتی گئی اور مسلمانوں کو اپنے ستون بنانے کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے اس میں اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھا کر نہایت خوبصورت اور ہر طرح کی موزونیت کے حامل ستون بنائے جو آج بھی دیکھنے والوں سے داد تحسین وصول کرتے ہیں ان کو خالص عربوں کی ایجاد کہنا چاہیے۔ جیسا کہ قصر الحمراء

(اندلس) کے بیت الاسود کے ستون کسی پرانے طرز کے نہیں ہیں بلکہ یہ ان کی اپنی اختراع ہیں۔[54]
الغرض اندلس کے مسلمانوں نے ان میں بہت سی اصلاح کی اوران کو غیر معمولی طور پرنازک سے نازک تر بنادیا۔قصر الحمراء کے ستون اس کی منہ بولتی تصویر ہیں۔جو ان کی مہارت اور جدتِ تخیل کی دلیل ہیں اور یہ سبک ستون محرابوں کے ساتھ عمارتوں کے حسن کو دوبالا کرنے کا موجب بھی ہیں۔

ایوان

مسلم عمارتوں کا ایک اوراہم جزو جس کو عام طور پر صحن کے منصوبے میں ضم کیا جاتا ہے جس نے اسلامی فن تعمیر کو وحدت بخشی وہ ایوان ہے۔یہ ایک اسلامی عمارت کے صحن کے ایک یا متعدد اطراف کی گذر گاہ میں بنے طاقچے اکثر عربی گلکاری سے مزین گذر گاہ کی وسیع چوکھٹوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ایوان کا استعمال اسلامی تعمیرات سے پہلے بھی کیا جاتا تھا لیکن یہ مسلمان معماروں کے لیے ڈیزائن کا اہم عنصر ثابت ہوا۔جہاں اس نے صحن کے حصے کو عمارت کے دیگر حصوں کے مقابلے میں وہ جمالیاتی احساس فراہم کیا جو فن تعمیر میں لامحدویت کا متقاضی تھا۔اس طرح صحن غیر ترقی یافتہ عربی فن تعمیر کے لیے اصل وصف ثابت ہوا۔جس نے کسی ایک مرکز کے بجائے دلچسپی کے متعدد مراکز کی تنظیم نو کی۔[55]
یہ ایوان ہمیں صرف مساجد میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ شاہی محلات کی عمارت کے ساتھ ان ایوانوں کو منسلک کیا جاتا تھا۔یہ دروازوں اورآستانوں سے پرے ڈھانچے کے اجزا کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔جیسے اندلس میں مسلم حکمرانوں کے بنائے گئے ایوان جو ان کے محل کی عمارت میں شامل ہوتے تھے جو انتہائی پُر تکلف اور خوبصورتی ورعنائی کا شاہکار ہوتے تھے۔ان میں اندلس کے قصر الزہراء اور قصر الحمراء کے ایوانوں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔[56]

کنگرہ سازی

کنگرہ سازی کا فن بھی عربوں کی ایجاد ہے جو اسلامی طرز تعمیر میں استعمال کیا جانے والا ایک اور اہم وصف ہے۔یہ مختلف اشکال کے ہوتے ہیں۔جنہیں کسی بھی دیوار کے اوپری حصے پر تواتر کے ساتھ تعمیر کیا جاتا تھا۔جو عموماً مسجد کے مینار اور قلعوں کے برجوں پر بنائے جاتے تھے۔یہ اس قدر خوبصورت اور جاذبیت رکھتے تھے کہ فرانس والوں نے اپنے بدترین تعصب اور دشمنی کے باوجود گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کا یہ طرز فن تعمیر اختیار کیا۔حتی کہ اپنی بعض عبادت گاہیں تک اسی نمونے پر تعمیر کی گئیں (شہر ماگ ارنڈ کا کلیساء جو 1178ء میں تعمیر ہو) جس میں کنگروں کی تزئین عربوں کے طرز پر کی گئی تھی۔اس کے بعد پورا یورپ اسلامی فن کا کورانہ مقلد بن

گیا۔ پیرس کا مشہور کلیساء نوتردام کو بھی اسی فن تعمیر پر استوار کیا گیا حتی کہ اس کے کاریگر تک عرب باشندے تھے۔ اس کے برجوں اور قلعوں کے دروازوں کے چھجوں اور سامنے نکلے ہوئے کنگروں تک کو ویسی ہی شکل دی گئی جیسی مسلم فن تعمیر میں دی جاتی تھی۔[57] بلاشبہ یہ عربوں کی جدت، ہنرمندی اور کاریگری تھی کہ عربوں نے بہت جلد تقلید سے نکل کر طرز تعمیر میں اپنا ایک طرز کنگرے سازی کے فن کا اختراع کیا۔ یہ مسلمانوں سے منسوب فن تعمیر میں ایک ایسی انفرادیت تھی جو خالص مسلمانوں سے وابستہ ہے جس کا اندازہ ان کی تعمیر کی ہوئیں عمارتوں سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

اسلامی عمارتوں کی شناخت میں مندرجہ بالا تعمیراتی اجزاء کے علاوہ جو عناصر سب سے زیادہ اہم ہیں ان میں عمارتوں کی آرائش بھی شامل ہے اور یہ اسلامی فن تعمیر کی اپنی شناخت بن چکی ہیں۔ یہاں ہم نے طوالت کے باعث ان تعمیری آرایش کی خصوصیات کا صرف ایک مختصراً جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اسلامی فن تعمیر میں عمارتوں کو مختلف طریقوں سے سجانے اور خوب صورت بنانے کا رجحان ابتدا ہی سے رہا ہے۔ عمارتیں پتھروں سے بنائی جاتی تھیں تو سنگ تراشی سے عمارتوں کی سجاوٹ کی جاتی، جب عمارت سازی میں اینٹوں کا استعمال شروع ہوا تو اینٹوں سے بھی طرح طرح کی آرایشیں کی گئیں۔ پھر دیواروں پر پلاسٹر کرکے ان پر گلکاریاں کی جانے لگیں۔ پچی کاری، مینا کاری، کاشی کاری غرض مختلف طریقوں سے عمارتوں کی آرایش کی گئی۔ مصوروں، سنگ تراشوں، مجسمہ سازوں اور نقاشوں نے عمارتوں پر اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اسلامی فنِ تعمیر میں ابتدا میں تو مصوروں اور مجسمہ سازوں کی خدمات حاصل کی گئیں لیکن بعد میں عمارتوں پر جانداروں کی تصویریں اور مجسمے بنانا عام طور سے بند کردیا گیا۔ ان فنوں کی جگہ گلکاری اور خاص طور سے خطاطی نے لے لی۔[58] گویا تصویر اور مجسمہ سازی کی مخالفت مسلمانوں کے لیے آرٹ کے دوسرے دروازے کھولنے کا سبب بنی اور مسلمان ماہرین فن تعمیر، فن خطاطی ہندسی اشکال، فرضی بیل بوٹے کی طرف راغب ہوئے۔ اس طرح نقش نگاری کے فن میں مسلمان فنکاروں کو اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ خواہ اس کا تعلق عمارتوں کی تزئین و آرائش سے ہو یا اس آرائش کا تعلق دوسرے اسلامی فنون سے ہو۔[59] غرض اسلامی فنون میں اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے بارے میں امکان شرک و شائبہ شک کے خلاف بے حد احتیاطیں اختیار کی گئیں۔[60] اس لیے مسلم فن کاروں نے اپنی فنکارانہ اور تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال صرف آرائش و زیبائش پر کیا اور اس میں مسلمانوں نے خطاطی، نقاشی اور آرائش میں تجریدی پہلو ایجاد کیا اور اس کے لیے ہندسی اشکال اور خطاطی ہی نے نقش و نگار کو نئے زاویئے فراہم کیے اور یوں یہ فن اپنے عروج کو پہنچا اسلام سے قبل تجریدی فن کا کوئی وجود نہیں تھا۔[61] اور عربوں سے مخصوص ہوکر یہ

فن (Arabesque) زخرفۃ العرب (عربی آرائش کا نام) کہلایا[62] جو ان مسلمان صناعوں کے لیے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔

الغرض عمارتوں کی آرائش کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جیسے دیواروں پر پلاسٹر کر کے ان پر گلکاری کی جاتی، فن تعمیر اور اس کے معاون فنون جیسے پچی کاری، ہندسی اشکال، منبت کاری، میناکاری، سیپ کا کام، کاشی کاری، چوبی نقاشی، خطاطی، کتبات نگاری غرض مختلف طریقوں سے عمارتوں کی آرائش کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کی جاتی۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں ابتداء میں مصوّروں اور مجسمہ سازوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لیکن بعد میں عمارتوں پر جانداروں کی تصویریں اور مجسمے بنانا عام طور پر بند کر دیے گئے اور ان فنون کی جگہ گلکاری اور خاص طور پر خطاطی نے لے لی۔ پھر اس فن میں مسلمانوں نے وہ مہارت حاصل کی کہ جو کسی اور قوم کو نصیب نہ ہو سکی۔ چنانچہ اسی تناظر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان آرایشی خصوصیات نے اسلامی فن تعمیر کو ایک انفرادیت بخشی اور ان کی صناعی کے بہت بڑے نمونے ان کی عمارتیں اور یادگاریں ہیں جو دنیا کے مختلف حصّوں میں موجود ہیں۔ جن میں کمال سادگی کے باوجود آرائش میں حسن آفرینی اپنی انتہا کو چھوتی نظر آتی ہے۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کی کوئی بھی صنعت ہو یا عمارت کا طرز ہو اسلامی فن تعمیر میں عمارت اور اس کے ہر حصّے کی تعمیر میں مقصدیت ہمیشہ پیش نظر رہی ہے۔ حتیٰ کہ آرائش و زیبائش کو اولیت حاصل ہونے کے باوجود بلا ضرورت کسی بھی آرائشی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاتا تھا۔ نقش و نگار واضح ہوتے تھے ان میں کسی خاص خیال اور عقیدے کی جھلک نظر نہیں آتی۔ یہ خصوصیت ہمیں ہر اسلامی عمارتوں میں نظر آتی ہے۔

در حقیقت مسلم فن تعمیر ان تمام خصوصیات سے مزین تھا جو کسی بھی عمدہ فن تعمیر کا حصّہ ہوتی ہیں یہ تمام خصوصیات ہمیں مسلمانوں کی تعمیر کی ہوئی عمارتوں میں نظر آتی ہیں۔ اگر چہ کہ ان عناصر نے اسلامی فن تعمیر کو ایک مسلمہ اتحاد مزاج بخشا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے نسلی یا جغرافیائی یا آب و ہوا سے پیدا ہونے والی خصوصیات کے اظہار کو مفلوج نہیں کیا۔ اس کے نتیجے میں فن تعمیر کے کئی علاقائی اسالیب وجود میں آئے اور مسلمانوں نے اپنے عقائد و نظریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر جگہ کے علاقائی اثرات اختیار کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ تاہم صدیوں پر محیط فن تعمیر اسپین سے لے کر ہندوستان تک خواہ کہیں بھی پایا جائے اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے۔ اگر ہم اس کو اسلامی مزاج کہیں تو بجا نہ ہو گا۔ یہ عمومی خصوصیت مختلف قوموں کے ایک مشترکہ مذہب اور ایک مشترکہ سماجی نظام کو قبول کرنے کا نتیجہ تھا جس نے مختلف قوموں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ یہ وہ وحدت یا ملّی اکائی تھی جو ہمیں اسلامی عمارتوں کی تعمیر میں بھی نظر آتی ہے جو ہمارے مقالے کا موضوع بھی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی

بنائی ہوئی عمارتیں جو دنیا کے کسی بھی حصّے میں تعمیر ہوئیں وہ محض شان دار گنبدوں، میناروں، عالی شان مسجدوں اور مقبروں اور محلوں اور دلآویز آرائشوں ہی کا نام نہیں بلکہ یہ اُس زبردست تہذیب کا مادی اظہار ہے۔ جس نے مختلف تہذیبی، مذہبی، سماجی، تاریخی اور لسانی پس منظر رکھنے والی قوموں کو متحد کر دیا تھا۔ جو در حقیقت عقیدہ وحدانیت کا نتیجہ تھا۔ جس پر فاصلے اور زمانے کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اگرچہ کہ مختلف زمانوں میں اسلامی طرز تعمیر نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔ لیکن جغرافیائی اختلافات کے باوجود اسلامی طرز تعمیر میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے۔ درآں حالیکہ موجودہ دور کی جدید ٹیکنالوجی نے جہاں ہر چیز میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ وہیں طرز تعمیر پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ تعمیری مصالح سے لے کر بنانے کے طریقہ کار میں ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔ جیسے اب عمارتوں میں بلندی کی طرف رجحان ہے۔ کئی کئی منزلہ عمارتیں آسمان کو چھوتی نظر آتی ہیں، روشن ہوادار عمارتوں کو شیشے لگا کر بند کر دیا گیا ہے اور اب تازہ ہوا کی بجائے ایئر کنڈیشنر کا استعمال عام ہے۔ خواہ وہ مسجدیں ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اب بھی مسجدوں کی پہچان اس کے گنبد، مینار اور محرابوں سے ہے۔ ان کی دل مول لینے والی آرائشوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اسلامی فن تعمیر اپنے خوبصورت اور شاندار طرز تعمیر، بالخصوص، گنبد، مینار، حسین نقش و نگار اور خطاطی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے اور ان ہی خوبیوں کی بدولت ہر جگہ کی عمارتیں ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ جو اسے ماضی سے بھی جوڑے ہوئے ہیں۔ ان اسلامی فن تعمیر کے نمونے صرف مساجد کی تزئین و آرائش وغیرہ میں ہی نہیں پائے جاتے بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں کئی ایسی عمارتیں موجود ہیں جن کے ڈیزائین اور آرائش میں انہی اسلامی عمارتوں کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

خلاصہ کلام

کسی بھی عمدہ فن تعمیر میں چند خصوصیات کا ہونا ناگزیر ہے۔ جس کے بغیر وہ اپنے مقاصد کو کماحقہ پورا نہیں کر سکتا۔ ان خصوصیات میں پائیداری، جدت، خوبصورتی ور عنائی، ہئیت و نزاکت اور اصول حفظان صحت وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فن تعمیر کی تفصیلی مہارت جس میں جیومیٹری، فزکس، کیمسٹری اور ڈھانچے کے خدوخال وضع کرنے کے علوم شامل ہوتے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کو کمال حاصل تھا۔ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ہر طرح کی عمارتیں تعمیر کیں لیکن اسلامی فن تعمیر میں سب سے زیادہ اہمیت مسجدوں کی ہے اور اس فن کا آغاز بھی مسجد کی تعمیر سے ہوا ہے اور ہر دور کے فن تعمیر میں مسجد کی عمارت سازی کو غیر معمولی حیثیت حاصل رہی ہے۔

اسلامی فن تعمیر آج بھی اپنی عمارتوں کے طرز تعمیر اور نقش و نگار کی بدولت دنیا بھر میں اپنی ایک الگ پہچان

اور شناخت رکھتا ہے۔ اور اپنی اس انفرادیت کی وجہ سے ہر زمانہ میں اہل نظر سے بے ساختہ داد تحسین بھی حاصل کرتا رہا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ا، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۵، ص ۵۰۱۔

[2]۔ سید احمد خان۔ آثار الصنادید، (مرتبہ) خلیق انجم، ج ا، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۱، ص ۳۸۔

[3]۔ صہباوحید ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، ج ا، دہلی: اردو اکیڈمی، ۱۹۵۵، ص ۵۰۔

[4]۔ محمد عبد اللہ چغتائی۔ تمدنی، ثقافتی، جغرافیائی، مذہبی اسباب جنھوں نے ہندی اسلامی فن تعمیر کے ارتقاء میں حصّہ لیا، برہان، ج ۳۱، ش ا، جنوری ۱۹۵۴، ص ۳۲۔۳۳۔

[5]۔ فیلپ حتی۔ تاریخ ملّت عربی، (ترجمہ) سید ہاشمی فرید آبادی، کراچی: انجمن ترقی اردو، تاریخ ندارد، ص ۴۰۷۔

[6]۔ صہباوحید ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، ج ا، ص ۳۷۔

[7]۔ القرآن۔ سورۃ النور آیت ۳۶، سورۃ البقرہ آیت ۱۱۴۔

[8]۔ صہباوحید ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، ج ا، ص ۴۰۔

[9]۔ ارنسٹ کوہنل۔ اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، ترجمہ: مولانا غلام طیب، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۱، ص ۱۲، ۱۸۔

[10]۔ محمد اسلم ملک۔ مدینہ کی قدیم تاریخ، نقوش رسول، محمد طفیل، رسول نمبر، ج ۲، ش ۱۳، دسمبر ۱۹۸۲، ص ۴۴۵۔۴۵۶۔

[11]۔ صہباوحید ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، ج ا، ص ۳۹۔

[12]۔ کوہنل، ارنسٹ، اسلامی آرٹ اور فن تعمیر (ترجمہ) مولانا غلام طیب، ص ۱۸۔

[13]۔ ایضاً، ص ۱۴۔

[14]۔ عبد الرحیم بلوچ۔ اندلس میں مسلم فن تعمیر، اندلس کی اسلامی میراث، (ترتیب وتدوین) ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵، ص ۶۸۶۔۶۸۷۔

[15]۔ سید معین الحق۔ اسلامی عہد میں فن تعمیر (ہندوپاکستان)، کراچی: دائرہ معین المعارف، ۱۹۶۵، ص ۳۔۴۔

[16]۔ عبد الرحیم بلوچ۔ اندلس میں مسلم فن تعمیر، اندلس کی اسلامی میراث، ص ۶۸۸۔

[17]۔ ایضاً، ص ۶۸۷۔

[18]۔ ایضاً، ص ۶۸۶۔

[19]۔ Al-Faruqi,dr.Lois Lamya,Islam and Art, Islamabad:National Hijra Council, 1985, p.61

[20]۔ ایضاً، ص ۶۲۔

[21]۔ "جامع مسجد عمرو" جو مصر کے شہر فسطاط (جو بعد میں شہر قاہرہ کے لیے منتخب کیا گیا) میں تعمیر کی گئی تھی۔ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کرنے کے بعد ایک نئے شہر فسطاط کی بنیاد رکھی۔ 21ھ میں اسی شہر میں یہ مسجد تعمیر ہوئی۔ تعمیرات کی نگرانی صحابی رسول عبادہ بن صامتؓ نے کی۔ مسجد کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ درمیان میں (صحن میں) ایک کنواں تھا جس کے پانی سے وضو کیا جاتا تھا۔ مسجد "عمرو بن العاصؓ" کو مسجد فتح، مسجد عتیق اور تاج الجوامع بھی کہا جاتا ہے۔ اسے مسلمانوں کا مرکز حکومت کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں باجماعت نماز کے علاوہ فتاویٰ بھی جاری کیے جاتے تھے۔ مقدمات کا فیصلہ بھی کیا جاتا تھا۔ خراج بھی وصول کیا جاتا تھا۔ اور سفیروں اور وفود کا استقبال وغیرہ بھی یہیں کیا جاتا تھا۔ مختلف ادوار میں مسجد عمرو بن العاص کی تعمیر و توسیع کا سلسلہ جاری رہا۔ آج یہ ایک بہت عظیم الشان اور کشادہ مسجد ہے۔

[22]۔ جامع مسجد "ابن طولون"، یہ بھی مصر کے شہر قاہرہ میں ہے۔ یہ اصل حالت میں ابھی تک محفوظ ہے۔ اسے دولت طولونیہ جس کی بنیاد 254ھ میں پڑی تھی۔ اس کے بانی احمد بن طولون نے 263ھ میں اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب کہ 265ھ میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ یہ مسجد ایک پہاڑی چٹان پر تعمیر کی گئی تھی جسے جبل شکر کہا جاتا تھا۔ یہ مسجد ابن طولون کے دارالحکومت کا انتظامی مرکز بھی تھی۔ مسجد کی پشت پر ابن طولون کا شاندار محل تھا۔ جس کا ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ اس مسجد کی بیچ میں بھی ایک وسیع صحن تھا۔ جو اس وقت کے رائج طرز تعمیر کے مطابق بنایا جاتا تھا جہاں وضو خانہ ہوتا تھا۔ یہ مسجد اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں شمالی افریقہ سے حجاز جانے والے عازمین حج کے لیے اسے ایک عارضی رہائش گاہ کے طور پر بھی استعمال کیا گیا تھا۔

[23]۔ Al-Faruqi,lois Lamya'al,Islam and Art, p.63

[24]۔ ایضاً۔

[25]۔ ایضاً۔

[26]۔ ایضاً، ص64۔

[27]۔ ایضاً۔

[28]۔ ایضاً۔

[29]۔ ایضاً۔

[30]۔ ایضاً، ص66۔

[31]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۶/ ۱۹۷۱، ۱، ص ۲۳۲؛ گستاؤلی بان۔ تمدن عرب، (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص ۹۰۔

[32]۔ ارنسٹ ٹاڈ ہیام رچمنڈ۔ اسلامی فن تعمیر ۶۲۳ء-۱۶۱۵ء، چند اسباب و علل، (مترجمہ) سید مبارز الدین رفعت، ص ۶۱۔

[33]۔ ایضاً، ص ۶۱۔ ۶۲۔

[34]۔ Al-Faruqi,lois damya'al, Islam and Art, p.67

[35]۔ گستاؤلی بان۔ تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، لاہور: الفیصل، س ن، ص ۳۰۳۔

[36]۔ ایضاً، ص ۳۰۵۔

[37]۔ ارنسٹ ٹاڈہیام رچمنڈ۔ اسلامی فن تعمیر، ص ۱۵۔

[38]۔ سید احمد خان۔ آثار الصنادید، ص ۶۳۔

Al-Faruqi,Lois Lamya'al, Islam and Art, p.74۔[39]

[40]۔ ارنسٹ ٹاڈہیام رچمنڈ۔ اسلامی فن تعمیر، ص ۳۶۔

[41]۔ ایضاً۔

Al-Faruqi,dois damya'al Islam and Art, p.74۔[42]

[43]۔ ایضاً، ص ۷۵۔

[44]۔ ۱۴۶۸ میں مملوک مصر سلطان قائت بائی نے یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ یہ مصر کی طرز تعمیر کی اخیر مشہور عمارتوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ تیرھویں صدی عیسوی سے عثمانی سلطان سلیم اوّل کی فتح مصر کے بعد سے عربی صنعت اس ملک سے اٹھ گئی تھی۔ اس مسجد میں مدرسہ اور سلطان قائت بائی کا مقبرہ بھی ہے۔ اس کے مختلف حصّوں کی ہنر مندانہ ترتیب، اس کی پر تکلف آرائش اور اس کی نفیس کاریگری، بالخصوص اس کے مینار اور گنبد شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں۔

[45]۔ گستاؤلی بان، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص ۳۰۴۔

Al-Faruqi,Lois Lamya'al, Islam and Art p. 75۔[46]

[47]۔ ایضاً، ص ۷۶۔

[48]۔ ایضاً۔

[49]۔ سید آصف علی رضوی۔ اسپین میں مسلم فن تعمیر کا ارتقاء، تحقیقات اسلامی، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، سہ ماہی، جنوری، مارچ، ۱۹۹۹، ص ۴۲۔

[50]۔ عبد الرحیم بلوچ۔ اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص ۶۹۵۔

Al-Faruqi,Lois Lamya'al, Islam and Art, p. 70-71۔[51]

[52]۔ ایضاً، ص ۶۸۔

[53]۔ ایضاً، ص 70۔

[54]۔ عبد الرحیم بلوچ۔ اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص ۶۹۶۔

Al-Faruqi,Lois Lamya'al, Islam and Art, p.72۔[55]

[56]۔ قصر الزہراء میں شاہی محل کی عمارت کے دو حصّوں کا ذکر مورخوں نے خاص طور کیا ہے۔ ایک "مجلس مونس" اور دوسرے "قصر الخلفاء"۔ مجلس مونس شاہی محل کا مشرقی ایوان تھا۔ جبکہ قصر الحمراء کے مشہور ایوانوں میں (Mexuar) فناء الریحان اور فناء الاسود شامل تھے۔ جو شاہی محلات سے ملحق تھے۔

[57]۔ سید آصف علی رضوی۔ اسپین میں مسلم فن تعمیر کا ارتقاء، ص ۳۶۔۳۷۔

[58]۔ سید احمد خان۔ آثار الصنادید، ص ۳۸۔

59۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ۱۹۸۵، ص ۴۹۷۔

60۔ ایضاً، ص ۴۹۵۔

61۔ عبدالرحیم بلوچ۔ اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص ۶۸۷۔۶۸۸۔

62۔ سید احمد خان۔ آثار الصنادید، ص ۶۱